مقالہ بعنوان

حرمت مصاہرت سے متعلق

چند سوالوں کے جوابات

متعلقہ فقہی اجتماع ادارۃ المباحث الفقہیہ، جمعیۃ علماء الہند

بمقام: جامعہ علوم القرآن جمبوسر، گجرات

بتاریخ ۵ تا ۷ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۱ تا ۲۳ فروری ۲۰۱۸ء

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث وفقہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

فہرست

صفحات	عنوانات
۳	حرمت مصاہرت سے متعلق چند سوالوں کے جوابات
۳	**سوال نمبر ۱**: حرمتِ مصاہرت کا ثبوت کن نصوص سے ہے؟
۵	**سوال نمبر ۲**: اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف
۵	حرمتِ مصاہرت کے شرائط
۶	**سوال نمبر۳**: حرمتِ مصاہرت کی اصل علت
۸	**سوال نمبر ۵**: تقبیل اور مسّ بالشہوۃ کی وجہ سے حرمت مصاہرت کیوں ثابت ہوتی ہے؟
۹	حرمتِ مصاہرت کے مسئلہ میں حنفی مسلک کو ضعیف اور مرجوح یا محض مبنی بر احتیاط کہنا صحیح نہیں
۱۱	**سوال نمبر ٤**: حرمتِ مصاہرت کے مسئلہ میں دوسرے مسلک کو اختیار کرنے کی بحث
۱۲	زیر بحث مسئلہ میں امام شافعیؒ کے مذہب پر فتویٰ دینے کی گنجائش ہے یا نہیں؟
۱۳	دوسرے مذاہب پر فتویٰ دینے کے چند نظائر
۱۵	دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کی بنیادی شرط اور ضرورت کا مطلب
۱۶	دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کی نزاکت اور اس کا حل
۱۶	حاصل بحث اور خلاصۂ کلام

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆

☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين محمد وعلىٰ آله وصحبه اجمعين

حرمت مصاہرت سے متعلق چند سوالوں کے جوابات

متعلقہ فقہی اجتماع ادارۃ المباحث الفقہیہ، جمعیۃ علماء الہند

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث وفقہ

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۷؍ربیع الآخر ۱۴۳۹ھ

حرمت مصاہرت کا ثبوت کن نصوص سے ہے؟

سوال نمبر ۱: حرمت مصاہرت کا ثبوت کن نصوص سے ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً

حرمت مصاہرت کا ثبوت نصوص قطعیہ وظنیہ نیز دلائل عقلیہ سے بھی ہے، ہمارے فقہاء شمس الائمہ سرخسیؒ، امام ابوبکر جصاص رازیؒ وغیرہ نے اس کی تفصیل ذکر فرمائی ہے۔

نص قطعی تو آیت وَلاَ تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَائُكُم مِنَ النِّسَاءِ (سورۂ نساء پ۴) ہے۔

چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

وحجتنا في ذلک قوله تعالىٰ "وَلاَ تَنكِحُوا مَا نَكَحَ آبَائُكُم" وقد بيّنا أن النكاح للوطى حقيقة فتكون الآية نصاً في تحريم موطوءة الأب على الإبن فالتقييد بكون الوطى حلالاً زيادة، ولا تثبت هذه الزيادة بخبر الواحد ولا بالقياس، والدليل عليه أن موطوءة الأب بالملک حرام على الإبن بهذه الآية، فدل أن المراد بالنكاح الوطى لا العقد وقد نقل مثل مذهبنا عن إبن مسعود وإبن عباس وأبى بن كعب وعمران بن حصين رضى الله عنهم بألفاظ مختلفة.

(کتاب المبسوط للسرخسی ص ۲۰۵، ج۴)

امام ابوبکر جصاص رازیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وكان أبو الحسن يقول: إنّ قوله تعالىٰ "مَا نَكَحَ آبَائُكُم" مراده الوطى دون العقد من حيث اللفظ حقيقةً ولم يرد به العقد لاستحالة كون لفظ واحد مجازاً حقيقةً في حال واحدة. (احکام القرآن ص۱۹۲، ج۲)

نصوص قطعیہ کے علاوہ نصوص ظنیہ اور آثار صحابہ سے بھی اس کی حرمت ثابت ہے، چند نصوص درج ذیل ہیں:

(۱) عبدالرزاق عن إبن جريج قال: أخبرت عن أبى بكر بن عبدالرحمٰن بن أم الحكيم أنه قال: قال رجل: يا رسول الله ﷺ إنى زنيت بإمرأة في الجاهلية، أفأنكح إبنتها؟ فقال النبى ﷺ: لا أرىٰ ذلک، ولا يصلح ذلک أن تنكح إمرأة تطلع من إبنتها على ما اطلعت عليه منها. (مصنف عبدالرزاق ص ۲۰۲، ج۷)

(۲) أخبرنا عبدالرزاق قال: أخبرنا إبن جريج قال: سمعت عطاء يقول: إن زنىٰ بأم إمرأته أو إبنتها حرمتا عليه جميعاً. (مصنف عبدالرزاق ص ۱۹۷، ج۷)

(۳)عبدالرزاق عن معمر عن إبن جريج وعن الشعبی عن عمرو عن الحسن قالاؒ إذا زنیٰ الرجل بأم إمرأته أو إبنة إمرأته حرمتا عليه جميعاً. (مصنف عبدالرزاق ص۱۹۷، ج۷)

(۴)عن إبن وهب عن يحیٰ بن أيوب عن إبن جريج يرفع الحديث إلی رسول اللهﷺ، أنه قال في الذي يتزوج المرأة فيغمزها ولا يزيد على ذلک ”لا يتزوج إبنتها“ قال: وكان إبن مسعود يقول: إذا قبّلها فلا تحل له الإبنة أبداً“ قال إبن وهب وكان عطاء يقول: ”إذا جلس بين فخذيها فلا يتزوج إبنتها“ (ذکرہ سحنون فی المدوّنۃ ص۲۰۱، ج۲)

(۵)عن أم هانیؓ مرفوعاً من نظر إلی فرج إمرأة لم تحل له أمها ولا بنتها رواه إبن أبی شيبة وإسنادهٗ مجهول، قاله البيهقی. (فتح الباری ص۱۳۵، ج۹)

ولٰكن رده الشيخ المحدث ظفر أحمد العثمانی وقال.....فإن أثر إبن أبی شيبة رجاله ثقاة مشهورون.....فالسند حسن إلا أنه مرسل وهو حجة عندنا وعند الجمهور والسلف. (والبسط فی اعلاء السنن ص۳۲، ج۱۱)

(۶)عن الحسن البصری عن عمران بن حصين قال: فيمن فجر بأم إمرأته حرمتا عليه رواه عبدالرزاق ولا بأس بإسناده. (فتح الباری ص۱۳۵، ج۹)

(۷)قال أبوبكر الرازی في أحكام القرآن: روی حماد عن إبراهيم عن علقمة عن إبن مسعود قال: لا ينظر الله إلی رجل نظر إلی فرج إمرأة وبنتها. (احکام القرآن ص۲۲۱، ج۲)

(۸)وروی الأوزاعی عن مكحول أن عمر جرّد جارية ثم سأله إياها بعض ولده فقال: إنها لا تحل لک.

(۹) وروی حجاج عن عمر بن شعيب عن أبيه عن جده أنه جرّد جارية ثم سأله إياها بعض ولده فقال، إنها لا تحل لک.

(۱۰) وروی المثنیٰ عن عمرو بن شعيب عن إبن عمر أنه قال: أيما رجل جرّد جارية فنظر إليه منها يريد ذلک الأمر فإنها لا تحل لإبنه.

(۱۱) وعن الشعبی قال: كتب مسروق إلی أهله قال: أنظروا جاريتی فلانة فبيعوها فإنی لم أصب منها إلا ما حرمها علی ولدی من اللمس والنظر. (احکام القرآن بصاص رازی ص۲۲۱، ج۲، اعلاء السنن ص۳۳، ج۱۱)

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ بعض اصول اور ظاہری قیاس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ دواعی وطی مثلاً نظر الی الفرج، مسّ بالشہوۃ اور تقبیل وغیرہ سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہونا چاہئے، لیکن ہمارے فقہاء احناف نے مذکورہ بالا نصوص اور آثار صحابہ کی وجہ سے قیاس کو ترک کردیا، اور نصوص وآثار صحابہ کو قیاس پر ترجیح دی، چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

فنقول كما ثبت حرمة المصاهرة بالوطی تثبت بالمسّ والتقبيل عن شهوة عندنا سواء كان في الملک أو في غير الملک، وعند الشافعیؒ لا تثبت الحرمة بالتقبيل والمس عن شهوة أصلاً في الملک أو في غير الملک.....

ولٰكنا نستدل بآثار الصحابة رضی الله عنهم فقد روی عن إبن عمرؓ قال إذا جامع الرجل المرأة أو قبّلها بشهوة أو لمسها بشهوة أو نظر إلی فرجها بشهوة حرمت علی أبيه وإبنه وحرمت عليه أمها وإبنتها، وعن مسروقؒ قال: بيعوا جاريتی هذه أما أنی لم أصب منها إلا ما يحرمها علی ولدی من اللمس والقبلة.

ولو نظر إلی فرجها بشهوة تثبت به الحرمة عندنا استحساناً وفي القياس لا تثبت وهو قول إبن أبی ليلیٰ والشافعی.....ولكنا تركنا القياس بحديث أم هانی رضی الله تعالیٰ عنها عنها أن النبیﷺ قال: من نظر إلی فرج إمرأة بشهوة حرمت عليه أمها وإبنتها.

وعن عمرؓ أنه جرّد جارية ثم نظر إليها ثإ استوهبها منه بعض بنيه فقال أما أنه لا تحل لک، وفی الحدیث ملعون من نظر إلی فرج إمرأة و إبنتها. (کتاب المبسوط ص ۲۰۸ ج ۴)

مذکورہ بالا نقول سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ حرمت مصاہرت (گو وہ مسّ بالشہوۃ اور تقبیل کی وجہ سے ہو) ان سب کا ثبوت اور اس کی حرمت کا حکم محض عقل وقیاس اور احتیاط کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کا مدار نصوص قطعیہ وظنیہ اور آثار صحابہ وتابعین پر ہے، اور اس کی حرمت خود صاحبِ مذہب حضرت امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے، جیسا کہ مبسوط سرخسی کی مذکورہ بالا تصریح سے معلوم ہوا۔

اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف

سوال نمبر ۲: حرمت مصاہرت کے ثبوت کے لئے کیا شرائط ہیں، اور اس بارے میں ائمہ کرام کے درمیان اتفاق ہے یا اختلاف؟

الجواب: اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف معروف ومشہور ہے کہ حضراتِ شوافع کے نزدیک اور مالکیہ کے یہاں بھی راجح قول کے مطابق زنا اور دواعی وطی یعنی مسّ بالشہوۃ اور تقبیل وغیرہ سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، جبکہ حضرات احناف وحنابلہ کے نزدیک دواعی وطی مسّ بالشہوۃ اور تقبیل وغیرہ سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے، بلکہ حنابلہ کے یہاں تو اتیان فی الدبر اور کسی امرد سے ایسی حرکت کرنے پر بھی حرمتِ مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے۔

ومن زنىٰ بإمرأة لم يحرم نكاحها ولا نكاح أمها وبنتها عند مالك والشافعي، وقال أبو حنيفةؒ يتعلق تحريم المصاهرة بالزنا، وزاد عليه أحمد فقال: إذا لاط بغلام حرمت عليه أمه وبنته.

(رحمۃ الأمۃ في اختلاف الأمۃ للشیخ عبدالرحمن الدمشقی العثمانی الشافعی ص ۲۱۷)

ومثله عند الحنفية مقدمات الزنا من تقبيل ومس بشهوة فقالوا تثبت حرمة المصاهرة بالزنا والمس والنظر بدون النكاح.....الحق الحنابلة اللواط بالزنا.....وإن تلوط بغلام يتعلق به التحريم أيضاً.

وقال المالكية على المشهور والشافعية إن الزنا والنظر والمسّ لا تثبت به حرمة المصاهرة.

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ص ۶۶، ج ۳۰ مغنی المحتاج ص ۱۷۵، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ص ۸۴۸)

حرمت مصاہرت کے شرائط

احناف کے نزدیک حرمت مصاہرت جن اسباب سے متحقق ہوتی ہے اس کے کچھ شرائط بھی ہیں، اگر وہ شرطیں پائی جائیں گی تو حرمت متحقق ہوگی ورنہ نہیں، وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) وہ عورت (مثلاً ممسوسہ بالشہوۃ) مشتہاۃ ہونی چاہئے یعنی کم از کم نو سال کی ہو، پانچ سال سے کم بچی کو مس بالشہوۃ یا تقبیل کی بنا پر حرمت نہ ہوگی، پانچ اور نو سال کی درمیانی عمر میں دیکھا جائے کہ اگر وہ لحیم وشحیم کم عمر کے باوجود مشتہاۃ ہے تو اس سے بھی حرمت ہوجائے گی۔

في العالمگيرية: ويشترط أن تكون المرأة مشتهاة، والفتوىٰ على أن بنت تسع محل الشهوة لا ما دونها كذا في معراج الدراية، وحكىٰ عن الشيخ الإمام أبى بكرؒ أنه كان يقول ينبغى للمفتى أن يفتى في السبع والثماني أنها لا تحرم إلا أن بالغ السائل أنها عبلة ضخمة جسيمة فحينئذ يفتى بالحرمة كذا في الذخيرة والمضمرات. (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۷۵، ج ۱)

(۲) مس اور نظر کے وقت ہی شہوت پائی جائے، اگر اس وقت شہوت نہیں تھی بلکہ بعد میں علحدہ ہونے کے بعد شہوت ابھری تو بھی حرمت ثابت نہیں ہوگی، **والشهوة تعتبر عند المس والنظر حتىٰ لو وجدا بغير شهوة ثم اشتهىٰ بعد الترک لا تتعلق به الحرمة.**

(فتاویٰ عالمگیری ص ۲۷۵، ج ۱)

(۳) مرد کے عضوِ خاص یعنی ذکر میں شہوت متحقق ہو مثلاً اس میں تقبیل ولمس کے وقت انتشار واستادگی کی کیفیت پیدا ہو اور اگر وہ اس قابل نہیں خواہ عنین ہونے کی وجہ سے یا ضعف یا کبرسن کی وجہ سے تو اشتہائے قلب ہی اس کے قائم مقام ہوگا، اور محض اشتہائے قلبی کے ساتھ مس کی وجہ سے حرمت ہو جائے گی، **وحدّ الشهوة في الرجل أن تنتشر آلته أو تزداد انتشاراً إن كانت منتشرة .....هذا الحد إذا كان شاباً قادراً على الجماع ، فإن كان شيخاً أو عنّيناً فحد الشهوة أن يتحرك قلبه بالاشتهاء إن لم يكن متحركاً قبل ذلك ويزداد الاشتهاء إن كان متحركاً.** (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۷۵، ج۱)

(۴) مسّ بالشہوۃ ایسے طور ہو کہ درمیان میں کوئی کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو اور اگر درمیان میں کوئی کپڑا حائل ہو تو اگر وہ اتنا رقیق ہے جو وصولِ حرارت سے مانع نہیں تو بھی حرمت متحقق ہو جائے گی ورنہ نہیں۔

ثم المسّ إنما يوجب حرمة المصاهرة إذا لم يكن بينهما ثوبٌ، أما إذا كان بينهما ثوب فإن كان صفيقاً لا يجد الماس حرارة الممسوس لا تثبت حرمة المصاهرة وإن انتشرت آلته بذلك، وإن كان رقيقاً بحيث تصل حرارة الممسوس إلى يده تثبت كذا في الذخيرة. (فتاویٰ عالمگیری ص ۲۷۵، ج۱)

(۵) پانچویں شرط یہ ہے کہ اس تقبیل اور لمس کی وجہ سے انزال نہ ہوا ہو، لہٰذا اگر مسّ بالشہوۃ اور تقبیل بالشہوۃ کے بعد انزال ہو جائے تو بھی دواعی وطی سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی، اس کی وجہ اور تفصیل آگے آ رہی ہے۔

والمختار أن لا تثبت بناء على أن الأمر موقوف حال المسّ إلى ظهور عاقبته، إن ظهر أنه لم ينزل حرمت وإلا فلا كما في الفتح. (مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ص ۳۲۸، ج۱)

حرمتِ مصاہرت کی اصل علت

سوال نمبر۳: حرمتِ مصاہرت کے شرائط کے بارے میں فقہائے احناف کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ یعنی ان کے نزدیک حرمتِ مصاہرت کی وہ اصل علت جس کو جزئیات پر منطبق کیا گیا ہے، وہ کیا ہیں؟

سوال نمبر۵: اگر سسر بہو کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرے تو اُس بہو کے اپنے شوہر پر حرام ہونے کی علت اور اُس کے شرائط کیا ہیں؟ اور کیا یہ علت منصوص ہے یا مجتہد فیہ؟ اور اس بارے میں دیگر ائمہ کرام کا موقف کیا ہے؟

الجواب: اس سلسلہ میں فقہائے کرام نے کتاب وسنت کی روشنی میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

حرمت مصاہرت کی اصل علت بعضیت اور جزئیت ہے یعنی آدمی کا جس طرح خود اپنی ذات سے شہوت کے ساتھ استمتاع ناجائز اور حرام ہے، مثلاً استمناء بالید وغیرہ اسی طرح اپنی اولاد سے بھی استمتاع بالشہوۃ حرام ہے کیونکہ اولاد سے بعضیت اور جزئیت کا تعلق ہوتا ہے، ہر اولاد ''ماءِ دافق'' کے واسطہ سے اپنے ماں باپ کی بعض اور جزء ہوتی ہے، اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کے متعلق خود ارشاد فرمایا: **هي بضعة مني.** (مبسوط سرخسی)

اور وطی حلال طریقہ سے ہو یا حرام طریقہ سے، بعضیت وجزئیت کا رشتہ قائم ہونے کا ذریعہ بہر حال ہے، باقی اس وطی سے نفس جزئیت وبعضیت کا تحقق ہوگا یا نہیں یہ امر مخفی تھا، اور شریعت کا ضابطہ ہے کہ تمام ایسے مواقع جہاں اصل چیز (جو واقعی علت کا درجہ رکھتی تھی اُس) کا وجود مخفی ہو تو کسی ظاہری عمل اور ظاہری حالت ہی کو اصل علت کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے، پھر اصل حکم اُس ظاہری عمل کے ساتھ بھی محقق ہوتا ہے، جس طرح کہ اصل علت کے وجود کے وقت ہوتا ہے، مثلاً مباشرت کے وقت التقائے ختانین کی صورت میں غسل واجب ہو جاتا ہے، گو انزال ہو یا نہ ہو، حالانکہ محققین کی تصریح کے مطابق اصل چیز جو موجب للغسل ہے وہ انزال ہے نہ کہ نفس جماع، چنانچہ ابتدائے اسلام میں صرف اسی پر حکم کا مدار تھا۔

كما جاء في رواية الترمذي: عن أبى بن كعب قال: إنما كان الماء من الماء رخصة في أول الإسلام، ثم نهىٰ عنها.

(ترمذی شریف باب ما جاء أنّ الماء من الماء، باب ۸۱، حدیث ۱۱۰)

بعد میں نفس جماع (التقائے ختانین) ہی کو ماء کے قائم مقام کر دیا گیا۔

عن عائشةؓ قالت قال النبی ﷺ إذا جاوزاً الختان وجب الغسل.

(ترمذی شریف باب ما جاء إذا التقی الختانان وجب الغسل، باب ۸۰،حدیث ۱۰۹)

وجہ اس کی یہ ہے کہ جماع ہونے کی صورت میں انزال کا نہ ہونا امر مخفی تھا، لہٰذا شریعت مطہرہ نے نفس جماع ہی کو انزال کے قائم مقام کر دیا، لہٰذا اب وجوبِ غسل نفس جماع ہی سے ہوگا، گو انزال ہو یا نہ ہو، چنانچہ ہدایہ اور اس کی شرح عنایہ وغیرہ میں اس کی صراحت موجود ہے۔

في الهداية في المعاني الموجبة للغسل: والتقاء الختانين من غير إنزال لقوله عليه السلام إذا التقى الختانان وتوارت الحشفة وجب الغسل أنزل أو لم ينزل، ولأنه سبب الإنزال ونفسه يتغيب عن بصره وقد يخفیٰ عليه لقلته فيقام مقامه. (ہدایہ)

وفي شرح العناية على الهداية: بيانه أن الشئى الذي يترتب عليه حكم إذا كان خفياً وله سبب ظاهر يقام ذلک السبب الظاهر مقام ذلک الأمر الخفي ويترتب عليه الحكم، وهٰهنا التقاء الختانين سبب الإنزال، ونفس الإنزال الذي ترتب عليه الغسل يتغيب عن بصر المُنزل، وقد يخفى الإنزال لقلة المنى فيقام الالتقاء مقام الإنزال، كما في السفر مع المشقة التي يترتّب عليها القصر في السفر، والالتقاء مجاز للإيلاج لأنه سببه. (عنایہ شرح ہدایہ علی الہامش ص ۵۶، ج)

وفي فتح القدير لأن الماء موجود في الالتقاء تقديراً لأنه سبب الإنزال إذا الغالب في مثله الإنزال وهو مغيب عن بصره وربما يخفى عليه الإنزال لقلته فأقيم السبب الظاهر وهو الالتقاء مقام الإنزال فيكون الماء موجوداً تقديراً فيجب الغسل بالحديث، فكان هذا منا قولاً بموجب العلة. (فتح القدیر ص ۵۶، ج۱)

اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں بھی سمجھنا چاہئے کہ حرمت مصاہرت کی اصل علت تو بعضیت وجزئیت ہے جو وطی اور جماع کے نتیجہ میں متحقق ہوتی ہے خواہ حلال طریقہ سے ہو یا حرام طریقہ سے، لیکن وطی اور جماع کے نتیجہ میں علوق کے بعد استقرار حمل ہوگا یا نہیں اور یہ وطی بعضیت وجزئیت پر منتج ہوگی یا نہیں اس کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا تھا، کیونکہ یہ امر مخفی ہے، اس لئے شریعت نے یہاں پر بھی مخفی امر یعنی بعضیت وجزئیت کے قائم مقام نفس وطی ہی کو کر دیا، اور جس طرح حرمت مصاہرت حساً بعضیت وجزئیت کے وجود سے ہوتی ہے کہ موطوءۃ کے اصول وفروع واطی پر حرام ہوجاتے ہیں، اس بعضیت وجزئیت کے جو چیز قائم مقام ہے، یعنی نفس وطی اور جماع اس سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی، کیونکہ بعضیت وجزئیت اگرچہ حقیقۃً نہیں پائی جارہی ہے، لیکن اس کے قائم مقام اور شبہ بعضیت تو پایا گیا اور حرمت کے مواقع میں شِبہ بھی حقیقت کے حکم میں ہوتا ہے جیسا کہ اموال ربویہ میں شِبہ ربا کو بھی ربا کی طرح حرام کہا جاتا ہے، اسی طرح یہاں بھی شریعت نے شِبہ جزئیت یعنی وطی اور جماع کو بعضیت حکمیہ سمجھتے ہوئے اصل حقیقت کے قائم مقام رکھ کر اس پر بھی حرمت کو متفرع کیا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إذا جامع الرجل المرأة أو قبّلها بشهوة أو لمسها بشهوة أو نظر إلى فرجها بشهوة حرمت علیٰ أبيه وإبنه وحرمت عليه أمها وبنتها. (مبسوط سرخسی ص ۲۰۷، ج ۴)

ماقبل میں حرمت مصاہرت کی علت کے تعلق سے جو کچھ بھی عرض کیا گیا یہ خلاصہ ہے فقہائے متقدمین ومتأخرین کے کلام کا، چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ نے اسی حقیقت کو تفصیل سے ذکر فرمایا ہے:

قال السرخسي: وهٰذا لأن البعضية باعتبار الماء وذلک لا يختلف حقيقته بالملک عدم الملک، فالولد المخلوق من المائين يكون بعض كل واحد منهما، قال النبي ﷺ لفاطمةؓ هي بضعة منى، والبعضية علة صالحة لإثبات الحرمة لأن الإنسان كما لا يستمتع بنفسه لا يستمتع ببعضه. (کتاب المبسوط للسرخسی ص ۲۰۷، ج ۴)

وقال السرخسي: إن ثبوت الحرمة بسبب هذا الوطی في الملک لیس لعین الملک بل لمعنیٰ البعضیة لأن الولد الذي یتخلق من المائین یکون بعضاً لکل واحد منهما فتعدیٰ شبهة البعضیة إلی أمهاتها وبناتها وإلی آبائه وأبنائه، والشبهة تعمل عمل الحقیقة في إیجاب الحرمة، وهذا المعنیٰ لا یختلف بالملک وعدم الملک لأن سبب البعضیة حسیٌّ، وإنما تکون هذه البعضیة موجبة حرمة الموطوء ۃ لأن البعضیة الحکمیة عملها کعمل حقیقة البعضیة.

(کتاب المبسوط للسرخسی ص ۲۰۵، ج۴)

تقبیل اور مسّ بالشہوۃ کی وجہ سے حرمت مصاہرت کیوں ثابت ہوتی ہے؟

اب رہی یہ بات کہ دواعی وطی یعنی تقبیل اور مس بالشہوۃ اور نظر الی الفرج الداخل وغیرہ کی کہ ان کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت ہونے کی علت کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت کا ضابطہ ہے کہ کسی حکم کا تعلق جس طرح اس کی علت سے ہوتا ہے یعنی حکم کا مدار جس طرح علت کے وجود پر موقوف ہوتا ہے، اسی طرح کبھی مظنۂ علت کو بھی علت کے درجہ میں رکھا جاتا ہے، اور وہ حکم شرعی اصل علت کی طرح مظنۂ علت پر بھی مرتب ہوتا ہے، اس کی واضح مثال یہ ہے کہ نواقضِ وضو کے باب میں شریعت نے نوم کو ناقض وضو قرار دیا ہے، حالانکہ حقیقت کے لحاظ سے نفس نوم ناقض وضو نہیں بلکہ خروجِ ریح ناقض وضو ہے، اور نوم کے بعد خروجِ ریح ہوگا یا نہیں اس کا فیصلہ دشوار تھا، اس لئے نفس نوم ہی کو ناقض وضو قرار دے دیا گیا، بلکہ حدیث پاک سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصلاً نوم بھی خروجِ ریح کے قائم مقام نہیں، بلکہ نوم ذریعہ ہے استرخاء مفاصل کا، اور استرخاء مفاصل (یعنی نوم اور نعاس کی حالت میں جسمانی اعضاء اور جوڑوں کا ڈھیلا پڑ جانا) یہ مظنۂ ہے اس بات کا کہ خروجِ ریح ہوا ہو، اور استرخاء مفاصل کی وجہ سے اس کو اس کا احساس نہ ہوا ہو، کیونکہ نوم کے بعد استرخاء مفاصل کی وجہ سے قوت دافعہ ومستمسکہ اپنا عمل چھوڑ دیتی ہے، الغرض نوم ذریعہ ہے استرخاء مفاصل کا اور استرخاء مفاصل مظنہ ہے خروجِ ریح کا، اس لئے شریعت نے مظنۂ علت ہی کو اصل علت کے قائم مقام قرار دے کر حکم کو بھی اس سے متعلق کردیا، چنانچہ ہمارے فقہاء نے واضح طور پر اس کی تصریح فرمائی ہے، اور حدیث پاک سے بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ ﷺ نے استرخاء مفاصل کو (جو کہ مظنۂ علت ہے) نقض وضو کی علت قرار دیا، یعنی مظنۂ علت کو بھی علت کا درجہ دے کر حکم کو اس سے متعلق فرمایا، چنانچہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے:

إن الوضوء لا یجب إلا علی من نام مضطجعاً فإنه إذا اضطجع استرخت مفاصله.

(ترمذی شریف باب ماجاء فی الوضوء من النوم، حدیث ۷۷، باب ۵۷)

وفي الهدایة لأن الإضطجاع سبب لاسترخاء المفاصل فلا یعریٰ عن خروج شئی عادة والثابت عادة کالمتیقن به.

قال إبن الهمامؒ لأن مناط النقض الحدث لا عین النوم، فلما خفی بالنوم أدیر الحکم علی ما ینتهض مظنة له ولذا لم ینقض نوم القائم والراکع والساجد، ونقض في المضطجع لأن المظنة منه ما یتحقق معه الاسترخاء علی الکمال وهو في المضطجع لا فیها. (فتح القدیر ص ۴۳، ج۱)

اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں بھی ہم کہتے ہیں کہ حرمت مصاہرت کی اصل علت تو بعضیت وجزئیت ہے، اور شریعت نے نفس جماع اور وطی کو بعضیت وجزئیت کے قائم مقام کردیا ہے اس لئے نفس وطی کو بھی حرمت مصاہرت کی علت قرار دیا گیا، اور تقبیل، مسّ بالشہوۃ وغیرہ گو عین وطی نہیں بلکہ دواعی وطی اور مظنۂ علت ہیں، اس لئے مظنۂ علت کا اعتبار کرتے ہوئے شریعت نے دواعی وطی، مس بالشہوۃ وغیرہ پر بھی حرمت مصاہرت کا حکم لگایا، جس طرح نواقض وضو کے باب میں نوم جو استرخاء مفاصل کا سبب ہے، اور استرخاء مفاصل خروجِ ریح کا مظنہ ہے، حالانکہ نقضِ وضو کی اصل علت خروجِ ریح ہے، لیکن شریعت نے مظنۂ علت کو بھی اصل علت کا درجہ دے کر نفس حکم کو اس سے بھی متعلق کردیا، اور یہ حکم دیا کہ ایسا نوم جو استرخاء مفاصل کو متضمن ہو وہ ناقض وضو ہے۔

اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں بھی سمجھنا چاہئے کہ دواعی جماع، تقبیل وغیرہ کو محض مظنۂ وطی اور سبب وطی کی وجہ سے وطی کے حکم میں قرار دے کر دواعی جماع پر بھی حرمت مصاہرت کا حکم لگا دیا، اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں، یہ تو محض اصولی بات ہوئی جو حکم کی علت سے متعلق تھی، باقی دواعی وطی یعنی مس بالشہوۃ وغیرہ کے ذریعہ حرمت مصاہرت کا ثبوت نصوص وآثار صحابہ سے بھی ہے، چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ مبسوط میں تحریر فرماتے ہیں:

فنقول كما ثبت حرمة المصاهرة بالوطى تثبت بالمس والتقبيل عن شهوة عندنا، سواء كان في الملك أو في غير الملك، وعند الشافعيؒ لا تثبت الحرمة بالتقبيل والمس عن شهوة أصلاً في الملك أو في غير الملك.....

ولكنا نستدل بآثار الصحابة رضى الله عنهم فقد روى عن إبن عمرؓ قال إذا جامع الرجل المرأة أو قبّلها بشهوة أو لمسها بشهوة أو نظر إلى فرجها بشهوة حرمت على أبيه وإبنه وحرمت عليه أمها وإبنتها. (مبسوط سرخسی ص۲۰۷، ج۴)

خلاصہ یہ کہ تقبیل اور مس بالشہوۃ چونکہ مظنہ ہے وطی اور جماع کا، اس لئے اس کو بھی وطی کے حکم میں قرار دے کر اس سے حرمت مصاہرت کا ثبوت ہوگا، البتہ دواعی وطی کے نتیجہ میں اگر فوراً انزال ہو جائے، تو اب چونکہ یقینی طور پر یہ دواعی وطی کا مظنہ نہ رہے اس لئے ایسی صورت میں حرمت مصاہرت بھی ثابت نہ ہوگی، یعنی جبکہ مس بالشہوۃ اور تقبیل کے فوراً بعد انزال ہو جائے تو حرمت نہ ہوگی، کیونکہ اب یہ بات متقین ہوگئی کہ یہ دواعی مظنۂ وطی نہ رہے، اسی وجہ سے ہمارے فقہاء نے اس کی صراحت بھی فرما دی ہے، چنانچہ مجمع الانہر وغیرہ میں تصریح ہے:

ولو أنزل مع المسّ أو لنظر لا تثبت الحرمة لأنه يتبين بإنزال أنه غير داع إلى الوطى الذي هو سبب الجزئية وهو الصحيح. (مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ص۳۲۷، ج۱)

حرمت مصاہرت کے مسئلہ میں حنفی مسلک کو ضعیف اور مرجوح یا محض مبنی بر احتیاط کہنا صحیح نہیں

ماقبل میں ذکر کردہ تفصیلات سے اچھی طرح واضح ہوگیا کہ حرمت مصاہرت کے سلسلہ میں احناف کے مسلک کی بنیاد نصوص قطعیہ وظنیہ اور آثار صحابہ اور دلائل عقلیہ ہیں، اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ یہ مسلک محض احتیاط پر مبنی ہے یا دلائل کے اعتبار سے ضعیف و مرجوح ہے یہ خیال بالکل صحیح نہیں، بلکہ یہ مسئلہ صاحب مذہب حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ سے منقول ہے، چنانچہ شمس الائمہ سرخسیؒ کی تصریح ماقبل میں گزر چکی اور امام محمدؒ الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں:

مسئله نمبر ۱۰: إمرأة مست رجلاً بشهوة حرمت عليه إمها وإبنتها لوجود سبب الوطى كالرجل.

(الجامع الصغیر ص۲۸۲ مطبوعہ سہارنپور)

اور مبسوط سرخسی جو فقہ حنفی کی بنیادی کتاب ہے اس میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے اس مسلک کو نقل کرنے کے بعد واضح طور پر اس کے دلائل احادیث وآثار بھی ذکر کئے گئے ہیں، اس لئے یہ خیال بالکل غلط ہے کہ یہ مسئلہ بے دلیل محض احتیاط پر مبنی ہے۔

اسی طرح اس مسئلہ کے تعلق سے وہ آثار صحابہ اور دوسرے دلائل جس کو مبسوط سرخسی وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے، سندی حیثیت سے ان پر کلام کرنا اور ان کی تضعیف کرنا جیسا کہ بعض اہل علم (علمائے پاکستان) نے پوری قوت سے کیا ہے، ہرگز قابل قبول نہیں، ان احادیث وآثار صحابہ کی سندی حیثیت پر شیخ ظفر احمد تھانویؒ نے اعلاء السنن میں تفصیلی کلام فرمایا ہے، من شاء فليطالع.

(اعلاء السنن ص۳۰، تا ۳۵، ج۱۱، مطبوعہ المكتبة الامدادية مكة المكرمة)

دوسرے کسی مجتہد کا کسی حدیث اور اثر سے استدلال کرنا خود اس کی صحت کی ضمانت اور معتبر ہونے کی پختہ دلیل ہے، بعد میں ضعف وانقطاع کا لاحق ہو جانا اس میں قادح نہیں، چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''حدیث کا ضعف اس کی صفت اصلیہ تو ہے نہیں، راوی کی وجہ سے ضعف آ جاتا ہے، پس ممکن ہے کہ مجتہد کو بسند صحیح پہنچی ہو اور بعد میں کوئی راوی ضعیف اس میں آ گیا، پس ضعف متأخر مستدل متقدم کو مضر نہیں''

ثانیاً: جب مجتہد کا اس حدیث سے استدلال ہوگیا اور استدلال موقوف ہے حدیث کی صحت پر، تو گویا مجتہد نے اس حدیث کی تصحیح کردی، اور یہی معنیٰ ہیں علماء کے اس قول کے ''المجتهد إذا استدل بحديث كان تصحيحاً منه'' پس گو سند اس کی معلوم نہ ہو مگر مقلد کے نزدیک مثل تعلیقات بخاری کی یہ حدیث صحیح ہوگئی، پس اس کے استدلال میں مضر نہ ہوئی۔ (الاقتصاد فی بحث تقلید والاجتہاد ص ۴۷)

نیز اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

حسبِ تصریح اہل علم مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا حکم بتصحیح الحدیث ہے، اور ضعف متأخرین احتجاج متقدم کو مضر نہیں، پس جب ان رواۃ مجروحین سے پہلے سلف اس پیش گوئی کے معتقد رہے تو انہوں نے حدیث باب کی صحت کا حکم کر دیا، اور یہ ضعف بعد کو سند میں عارض ہوگیا، تو یہ ظاہر ہے کہ ان کے احتجاج میں ضعف لاحق مضر ہو نہیں سکتا۔ (امداد الفتاویٰ ص ۲۵۱، ج ۶)

الغرض حرمت مصاہرت کا یہ مسئلہ جو صاحب مذہب حضرت امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے بالفرض ہمارے علم کے مطابق اس کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ اس کے خلاف کوئی حدیث اور شرعی دلیل موجود ہو تب بھی ہم کسی امام کے مسلک کو خلاف حدیث یا بے دلیل نہیں کہہ سکتے۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے اس حقیقت کو پوری قوت سے بیان فرمایا ہے، اس موقع پر ہم علامہ ابن تیمیہؒ کی مختصر عبارت نقل کرتے ہیں، جو ان حضرات اہل علم کے لئے بہت کافی ہے، جو ائمہ متبوعین ومقبولین میں سے کسی بھی امام کے مسلک کے متعلق اپنی ناقص معلومات اور ناقص مبلغ علم کی بنا پر اس کا اظہار کرنے میں ذرا بھی نہیں جھجکتے اور پوری قوت سے کہتے ہیں کہ فلاں امام کا یہ مسئلہ بے دلیل یا خلاف دلیل یا ضعیف ہے، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں رسالہ ''رفع الملام عن الأئمة الأعلام'' میں اسی بحث سے متعلق کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''وليعلم أنه ليس أحد من الأئمة المقبولين عند الأمة قبولاً عاماً يتعمد مخالفة رسول الله ﷺ في شئى من سنته دقيق ولا جلى فإنهم متفقون اتفاقاً يقيناً على وجوب اتباع الرسول الله ﷺ.....ولكن إذا وُجد لو احد منهم قول قد جاء حديث صحيح بخلافه فلا بدله من عذر في تركه، وجميع أعذار ثلاثة أصناف، أحدها عدم اعتقاده أن النبى ﷺ قالهٗ، والثاني عدم اعتقاده ارادة ذلك المسئلة بذلك القول، والثالث اعتقاد أن ذلك الحكم منسوخ. (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۲۳۱، ج ۲۰)

وفي كثير من الأحاديث يجوز أن يكون للعالم حجة في ترك العمل بالحديث لم نطلع نحن عليها، فإن مدارك العلم واسعة، ولم نطلع على جميع ما في بواطن العلماء، والعالم قد يبدى حجته، وقد لا يبديها، وإذا أبدأها فقد تبلغنا وقد لا تبلغ، وإذا بلغنا فقد ندرك موضع احتجاجه وقد لا ندركه، سواء كانت الحجة صواباً في نفس الأمر أم لا. (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۲۵۰، ج ۲۰)

ترجمہ ومطلب: یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ائمہ مقبولین جن کو امت میں قبولیت عامہ حاصل ہے (مثلاً حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ) ان میں کوئی امام بھی ایسا نہیں جو قصداً رسول اللہ ﷺ کی کسی بھی سنت (حدیث) کی مخالفت کرے، کیونکہ تمام ائمہ مجتہدین قطعی طور پر اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنا واجب ہے، اس کے بعد اگر کسی امام کا کوئی ایسا قول پایا جائے جو بظاہر کسی صحیح حدیث کے خلاف ہے تو اس امام کے لئے اس صحیح حدیث کے خلاف قول اختیار کرنے میں کوئی عذر تلاش کرنا ضروری ہے، اور مجموعی طور پر تین قسم کے عذر ہو سکتے ہیں۔

اول: تو یہ کہ اس امام کے علم وعقیدہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہی نہیں (یا اس سے زیادہ قوی حدیث ان کے پیش نظر ہے)

دوسرا عذر: یہ کہ حدیث پاک کے ظاہر الفاظ سے جو بات سمجھی جارہی ہے ان کے اعتقاد اور فہم کے مطابق حدیث پاک کی وہ مراد نہیں۔

تیسرا عذر: یہ کہ حدیث پاک بھی صحیح، مطلب بھی واضح لیکن دوسرے مضبوط دلائل کے پیش نظر ان کے اجتہاد کے مطابق وہ حکم منسوخ یا مؤول ہے۔

اور بہت سی احادیث کے متعلق ممکن ہے کہ کسی امام نے دوسری حدیث کی بنا پر (یا کسی قوی شرعی دلیل کی بنا پر) ان حدیثوں کو ترک کردیا ہو، جس حدیث تک ہماری نظر نہیں پہنچی، کیونکہ علم کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور علمائے مجتہدین کے سارے دلائل سے ہم باخبر نہیں، کیونکہ (مسئلہ بیان

کرتے ہوئے امام) کبھی اپنی دلیل ظاہر کرتا ہے اور کبھی نہیں، اور جب ظاہر کرتا ہے تو کبھی ہم تک پہنچتی ہے اور کبھی نہیں، اور پہنچتی بھی ہے تو کبھی اس کے موقع استدلال کو ہم کماحقہ سمجھ پاتے ہیں اور کبھی نہیں، اس سے قطع نظر کہ واقع میں اس کی دلیل صواب ہے یا غیر صواب۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''ابن تیمیہؒ کی ایک کتاب ہے''رفع الملام عن الأئمة الأعلام ''اس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ وجوہِ دلالت کے اس قدر کثیر ہیں کہ کسی مجتہد پر یہ الزام صحیح نہیں ہوسکتا کہ اس نے حدیث کا انکار کیا، یہ کتاب دیکھنے کے قابل ہے''

یہ کہنا بڑا مشکل ہے کہ مجتہد کے پاس اپنے قول کی دلیل نہیں، اس واسطہ کے کہیں احتجاج بعبارۃ النص ہوتا ہے اور کہیں باشارۃ النص، اور یہ سب احتجاج بالحدیث ہے۔(حسن العزیز ص ۳۹۷، ج۴)

اس لئے فقہ حنفی کے تمام مسائل کی طرح حرمت مصاہرت کے اس مسئلہ میں بھی ہم یقین سے کہتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ سے اس مسئلہ میں جو کچھ منقول ہے وہ بالکل صحیح اور درست اور دلائل شرعیہ سے مدلل ہے، اس کو ضعیف یا مرجوح کہنا یا محض احتیاط پر اس کو مبنی قرار دینا ہرگز درست نہیں، واللہ اعلم۔

حرمت مصاہرت کے مسئلہ میں دوسرے مسلک کو اختیار کرنے کی بحث

سوال نمبر٤: اگر کوئی واقعہ ایسا پیش آجائے کہ جس سے حرمتِ مصاہرت کا ثبوت فقہ حنفی کے اعتبار سے ہوجاتا ہے لیکن زوجین کے درمیان علٰحدگی کی صورت میں بچوں کے ضائع ہونے یا بیوی کے بہت زیادہ مصیبت میں پڑنے کا اندیشہ ہو، تو کیا مجبوراً اس بارے میں مذہبِ غیر پر فتویٰ یا فیصلہ کیا جاسکتا ہے؟

الجواب: حنفی مسلک کے مطابق زنا اور دواعی وطی یعنی تقبیل اور مس بالشہوۃ کی بنا پر بھی حرمت مصاہرت یقینی طور پر ثابت ہوجاتی ہے، خواہ عمداً ہو یا خطاً اور سہواً، جبکہ حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ان صورتوں میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، اب سوال یہ ہے کہ بعض گھرانوں میں عمداً یا خطاً اگر ایسے واقعات پیش آجائیں جن کی بنا پر حنفی مسلک کے مطابق حرمت ثابت ہوجاتی ہے اور جس کے نتیجہ میں زوجین کے درمیان فوراً فرقت واقع ہوجاتی ہے، اور ایسے واقعات اب خطاً یا عمداً کثرت سے ہونے لگے ہیں، جس کی وجہ سے ساتھ رہنے میں یا تو حرام کا ارتکاب لازم آتا ہے یا پورے گھر کے گھر اجڑ جاتے ہیں اور مرد وعورت کو سخت ضیق کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مثلاً باپ نے اپنی بیوی سمجھ کر دھوکہ سے بیٹی کو شہوت سے ہاتھ لگا دیا، یا خسر صاحب نے بیٹے کی بیوی یعنی بہو کو شہوت سے چھولیا یا تقبیل کرلی اور اس طرح کے واقعات کثرت سے سننے میں آتے ہیں، اب یا تو حنفی مسلک کے مطابق حرمت مصاہرت کا حکم لگا کر فوراً تفریق کردینی چاہئے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس گھر والوں، مرد، عورت پر کس قدر تنگی اور حرج لازم آئے گا، فرض کیجئے، ۵۰ ؍سالہ مرد نے رات کی تاریکی میں شہوت سے ہاتھ لگایا بیوی کو لیکن پڑ گیا بیٹی کے جسم پر، جس کی وجہ سے حرمت مؤبّدہ ہوجائے گی، حالانکہ یہ مرد کثیر العیال بھی ہے، گھر کا لگا بندھا نظام ہے، اب اس صورت میں حنفی مسلک کے مطابق تفریق کرنے میں سخت حرج لازم آتا ہے، یا مثلاً نئے شادی شدہ لڑکا لڑکی ہیں، دونوں جوان ہیں، گود میں ایک چھوٹا بچہ بھی ہے، نہایت مشکل اور سخت دشواریوں کے بعد تو رشتہ ہوا لیکن خسر صاحب نے کچھ ایسی حرکت کردی یعنی بہو کو شہوت کے ساتھ چھولیا اب یہ لڑکی اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، تصور کیجئے کہ دونوں ہنستے کھیلتے جوان لڑکے لڑکی جن میں آپس میں الفت ومحبت قائم اور بچہ گود میں، لیکن لڑکے کے باپ کی اس حرکت کی وجہ سے حنفی مسلک کے مطابق اگر تفریق کردی جائے تو ان لڑکے اور لڑکی کو کس قدر حرج اور تنگی کا سامنا کرنا پڑے گا، اس کے نتیجہ میں پورا خاندان تباہ وبرباد ہوجاتا ہے جبکہ لڑکا ولڑکی میں باہم کسی نوع کی رنجش وتکرار نہیں تھی، محض خسر کے مس بالشہوۃ کی بنا پر یہ نوبت پہنچ رہی ہے۔

ایسے سخت اور تنگ حالات میں حنفی مسلک سے عدول کرتے ہوئے حضرت امام شافعیؒ کے مسلک کو اختیار کرکے حرمت مصاہرت نہ ہونے کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے ہے یا نہیں؟ یہ بات نہایت اہم اور قابل غور ہے۔

زیر بحث مسئلہ میں امام شافعیؒ کے مذہب پر فتویٰ دینے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

اتنی بات تو یقینی ہے کہ جملہ مسالک ائمہ اربعہ سب حق ہیں اور ان کے مابین جو اختلافات ہیں وہ اس امت کے لئے رحمت ہیں، اور ان کے رحمت ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ حرج وتنگی کے موقع پر دفع حرج کے لئے رخصت وسہولت والے مسلک کو اختیار کرلیا جائے۔

چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''اختلاف أمتی رحمة. (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) (جامع صغیر، بیہقی)

مجتہدینِ امت کے مختلف مسلک اصول قرآن وسنت ہونے کے ماتحت ہونے کی وجہ سے سب کے سب احکام خدا اور رسول کہلائیں گے، یہ اختلاف جو رحمت ہے، اور لوگوں کے لئے وسعت اور سہولت کا ذریعہ اور بہت سے مفید نتائج کا حامل ہے''

نیز تحریر فرماتے ہیں:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت اختلاف رائے جو صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین میں رہا تو بلاشبہ رحمت ہی ہے اس کا کوئی پہلو نہ مسلمانوں کے لئے مضر ثابت ہوا اور نہ آج ہوسکتا ہے۔

(اختلاف امت پر ایک نظر، ملحقہ جواہر الفقہ ص ۴۴۲، ج ۱)

چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اسی وسعت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''چونکہ چاروں مذہب بلاشبہ برحق ہیں، اور ہر ایک کے پاس دلائل موجود ہیں، اس لئے اگر مسلمانوں کی کوئی شدید اجتماعی ضرورت داعی ہو تو اس موقع پر کسی دوسرے مجتہد کے مسلک پر فتویٰ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں'' (البلاغ مفتی اعظم نمبر ص ۴۱۹)

اسی لئے ہمارے اکابر علماء وفقہاء نے سہولت ورخصت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ضرورت کے موقع میں تمام حدود وقیود کی رعایت کرتے ہوئے دوسرے مذاہب حقہ کو اختیار کیا اور اس کے مطابق فتاویٰ بھی صادر کئے بھی، اور ایسا اس وجہ سے کہ خود اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حرج اور تنگی سے بچانا چاہتا ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلاَ يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (سورۂ بقرہ، پ ۲، آیت ۱۰۵)

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِيْ الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ. (سورۂ حج، پ ۱۷، آیت ۷۸)

يُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيْفاً. (سورۂ نساء، پ ۵، آیت ۲۸)

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: اَلدِّيْنُ يُسْرٌ.

اور ان ہی نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے فقہاء واصولیین نے یہ قواعد مقرر فرمادیئے ہیں، اَلْحَرَجُ مَدْفُوْعٌ ، اَلْمُشَقَّةُ تَجْلُبُ التَّيْسِيْرِ ، اَلضَّرَرُ يُزَالُ. (الاشباہ والنظائر)

یہی وجہ ہے کہ ہمارے فقہاء واصولیین نے ضرورت کے موقع پر آسانی کے خاطر دوسرے مذہب کو اختیار کرنے کی اجازت دی ہے، چنانچہ اصولِ فقہ کی مشہور کتاب ''فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت'' میں بحر العلوم حضرت مولانا عبد العلی لکھنویؒ تحریر فرماتے ہیں:

ويتخرج منه جواز اتباعه رخص المذاهب، ولا يمنع منه مانع شرعي إذ للإنسان أن يسلك الأخف إذا كان إليه سبيل وكان عليه الصلوٰة والسلام يحب مما خف عليهم، لكن لابد أن لا يكون اتباع الرخص للتلهي كعمل حنفي بالشطرنج ولعل هذا حرام بالإجماع لأن التلهي حرام بالنصوص القاطعة.

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ص ۴۰۶، ج ۲)

دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کے چند نظائر

اسی وجہ سے ہمارے اکابر وفقہاء نے ضرورت کے موقع پر دوسرے مذاہب حقہ کو اختیار کیا، اور فتویٰ دیا ہے، ایمانیات میں بھی اور عبادات ومعاملات میں بھی اور احکام معاشرت میں بھی، اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) صفاتِ باری تعالیٰ اور استواء علی العرش کے مسئلہ میں سلف اور خلف کا اختلاف مشہور ومعروف ہے کہ سلف تو اس نوع کی نصوص کو بلا توجیہ وتاویل اور بلا تشبیہ ظاہر پر محمول کرتے ہوئے اس کو قبول کرتے ہیں، اور خلف یعنی متکلمین توجیہ وتاویل کرنے کے ساتھ اس کو قبول کرتے ہیں، اور سب حق پر، مسلک اہل سنت والجماعت پر ہیں، ہمارے اکابر علماء نے اصلاً تو سلف کے مسلک کو اختیار کیا، لیکن عوام کی رعایت میں ان کو بدفہمی و کج روی سے بچانے کے لئے سلف کے مسلک سے عدول کرتے ہوئے متکلمین کے مسلک کو اختیار کیا۔

چنانچہ اسی بحث سے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''میں اس عقیدہ میں حضرات سلف کے مسلک پر ہوں کہ نصوص اپنی حقیقت پر ہیں، مگر کنہ (حقیقت) اس کی معلوم نہیں ہے، اور صوفیہ کے مسلک کو سلف کے خلاف نہیں سمجھتا، وہ حقیقت سے منکر نہیں بلکہ جہت کے منکر ہیں''

نیز تحریر فرماتے ہیں:

(عوام کو فاسد) عقیدہ سے بچانا واجب تھا، اسلئے علمائے خلف نے اس کی تدبیر کی کہ حقائق کی ایسے طریقہ سے تاویل کردی کہ نہ قرآن وحدیث متروک ہو اور نہ عقیدہ تجسیم وتشبیہ (یعنی باطل عقیدہ) میں مبتلا ہوں (الغرض عوام) کے لئے ایسی تاویلات ذریعہ ہے ان کے دین کی حفاظت کا، پس ایسے لوگوں کے لئے علمائے متاخرین نے طریقہ تاویلات کا اختیار کیا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوامداد الفتاویٰ ص ۲۷ تا ۲۹، ج ۶)

یہ ایمانیات کی مثال تھی۔

(۲) ضرورت کے موقع پر دوسرے مذہب کا اختیار کرنے کی اصل اور اس کا جواز قاضی ابو یوسفؒ سے بھی منقول ہے چنانچہ علامہ شامیؒ نے رسم المفتی میں فتاویٰ بزازیہ سے نقل کیا ہے:

إنه صلى الجمعة مغتسلاً من الحمام ثم أخبر بفارة ميتة في بئر الحمام فقال: نأخذ بقول إخواننا من أهل المدينة إذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثاً. (الحیلۃ الناجزۃ ص ۲۲۰)

یہ طہارت کی مثال ہے۔

(۳) حنفی مسلک کے مطابق عذر کی وجہ سے بھی حقیقتاً جمع بین الصلوٰتین کرنے کی اجازت نہیں، خواہ حالتِ سفر ہو یا حالتِ مطر، البتہ حضرت امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک سفر اور مطر کی حالت میں حقیقتاً جمع بین الصلوٰتین کی اجازت ہے، لیکن ہمارے فقہاء اور اکابر نے ضرورت کے موقع پر یعنی حرج اور تنگی سے بچنے کے لئے حالتِ سفر میں امام شافعیؒ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے حقیقتاً جمع بین الصلوٰتین کرنے کی اجازت دی ہے، چنانچہ علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

وجوّزه اى الجمع بين الصلوتين بلا عذر فى السفر الشافعى تقديماً وتاخيراً، وكثيراً ما يبتلى المسافر بمثله لا سيما الحاج، ولا بأس بالتقليد كما في البحر لكن بشرط أن يلتزم جميع ما يوجبه ذلك الإمام، لأن الحكم الملفق باطل بالإجماع. (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۱۰۳)

علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

ولا جمع بين فرضين في وقت بعذر سفر ومطر خلافاً للشافعيؒ ولا بأس بالتقليد عند الضرورة لكن بشرط أن يلتزم جميع ما يوجبه ذلك الإمام الخ.....الظاهر أنه أراد بالضرر ما فيه نوع مشقة. (درمختار، شامی ص ۲۵۶، ج ۱ قبیل باب الاذان)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنے فتاویٰ میں اسی مسئلہ کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں:

''البتہ ضرورت شدیدہ میں تقلید اًللشافعیؒ جمع کر لینا مع شرائط مقررہ مذہب شافعی جائز ہے۔

ولا بأس بالتقليد عند الضرورة درمختار في بحث الجمع واللہ اعلم'' (امداد الفتاویٰ ص ۸۳، ج ۵)

(۴) جمعہ کی نماز کی صحت کے لئے حنفی مسلک کے مطابق مصر یا قریہ کبیرہ ہونا شرط ہے، ورنہ جمعہ کی نماز درست نہیں، لیکن ضرورت شدیدہ کے موقع پر ہمارے بعض اکابر علماء احناف نے اس کی بھی اجازت دی ہے، حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

''جمعہ کے روز ایسے گاؤں سے باہر چلے جانا مصلحت ہے، اور اگر رہنا کسی وجہ سے ضروری ہے اور عدم شرکت میں کسی سخت فتنہ کا ڈر ہے جس کو آپ برداشت نہ کر سکیں تو پھر شرکت کر لینا جائز ہے، افتاءً علی مذهب الشافعي، لیکن اس صورت میں آپ کو امام کے پیچھے قرأت فاتحہ کرنا چاہئے تاکہ امام شافعیؒ کے مسلک کے موافق جمعہ صحیح ہو جائے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، امداد المفتیین ص ۳۳۷، ج ۲، سوال ۲۷۳)

دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کی یہ عبادات کی مثال ہے۔

عقود و معاملات میں دوسرے مذاہب پر فتویٰ دینے کی بہت مثالیں ہیں۔

(۵) ''الحیلۃ الناجزۃ'' میں ہے: استیجار علی تعلیم القرآن، جو اصل مذہب میں ناجائز ہے، لیکن متأخرین میں صاحب ہدایہ و قاضی خان او رصاحب کنز وغیرہ سب محققین جواز کا فتویٰ دیتے اور متقدمین میں سے امام فضلی اور فقیہ ابواللیث نے بھی فتویٰ دیا تھا۔

اس سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتویٰ دینے کے جواز پر مشائخ کا اتفاق ہے، اس کے بعد کسی خاص مسئلہ میں بالتخصیص فتویٰ منقول ہونے کی ضرورت نہیں رہتی۔ (الحیلۃ الناجزۃ ص ۲۲۰)

(۶) بیع سلم کے ایک جزئیہ سے متعلق حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے سوال کیا گیا جو حنفی مسلک کے مطابق شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے ناجائز تھا، حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اولاً اس کا ناجائز ہونا تحریر فرمایا، اس کے بعد امام شافعیؒ کے مسلک پر فتویٰ دیتے ہوئے اس کا جواز تحریر فرمایا، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

عقد سلم میں مبیع کا وقت وقت میعاد تک برابر پایا جانا حنفیہ کے نزدیک شرط ہے، اگر یہ شرط نہ پائی گئی تو عقد سلم جائز نہ ہوگا، لیکن شافعیؒ کے نزدیک صرف وقت میعاد پر پایا جانا کافی ہے، کذا فی الہدایہ، تو اگر ضرورت میں اس قول پر عمل کر لیا جائے تو کچھ ملامت نہیں، رخصت ہے۔

(امداد الفتاویٰ ص ۱۰۶، ج ۳، سوال ۱۳۲)

(۷) گائے بکری وغیرہ جانور کو بٹائی پر دینا حنفی مسلک کے اعتبار سے اصلاً ناجائز ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها وما يكون من اللبن والثمن بينهما أنصافاً فالإجارة فاسدة، اس عبارت کو لکھ کر حضرت تھانویؒ سے بٹائی پر جانور دینے سے متعلق سوال کیا گیا، تو حضرت تھانویؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا:

حنفیہ کے قواعد پر تو یہ عقد ناجائز ہے، کما نقل فی السوال عن عالمگیریۃ، لیکن بنا بر نقل بعض اصحاب امام احمد کے نزدیک اس میں جواز کی گنجائش ہے، تحرّز احوط ہے، اور جہاں ابتلاء شدید ہو تو توسع کیا جا سکتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ص ۳۴۳، ج ۳، سوال ۲۹۴)

احکام معاشرت میں بھی اس کی مثالیں بہت ہیں ''الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة'' کتاب کی تصنیف ہی اس غرض سے ہوئی ہے، جس کے متعلق خود حضرت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں:

''مردوں کی غفلت اور ظلم سے عاجز آکر جو عورتیں کثرت سے مرتد ہو رہی ہیں، اس کے متعلق ایک رسالہ ترتیب دیا ہے جس کا نام ''الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة'' ہے، اس رسالہ کے متعلق بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس رسالہ کا حاصل تو یہ ہوا کہ حنفیت کو چھوڑ دو، منشاء اس اعتراض کا یہ ہے کہ اس میں بعض صورتوں میں دوسرے ائمہ کے مذاہب پر بھی فتویٰ دیا گیا ہے، میں کہتا ہوں کہ حنفیت نہ چھوٹے

چاہے اسلام چھوٹ جائے؟ جب اسلام اور ایمان ہی جاتا رہا تو وہ کیا ہوگا؟ حنفی یا شافعی یا مالکی یا حنبلی، مقلد یا غیر مقلد؟ دیکھئے کیا عقلیں ہیں، اگر یہ فتویٰ لیا جائے کہ ایک شخص یا مرتد ہوتا ہے یا غیر مقلدی اختیار کرتا ہے تو شرعاً کیا حکم ہے؟ تو اس پر کیا فتویٰ دیتے ہو؟

(ملفوظات حکیم الامت ص ۱۸، ج ۳، قسط ۱، ملفوظ ۲۲ و ص ۱۷۷، ج ۳، قسط ۲، ملفوظ ۲۰۸)

(۸) زوجۂ مفقود اس کی واضح مثال ہے، حنفی مسلک میں راجح قول کے مطابق تو مفقود کی زوجہ اپنے شوہر کی عمر کے اسّی یا نوّے سال پورا ہونے کا انتظار کرے گی، اس کے بعد عدت گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے، لیکن ضرورۃً ہمارے اکابر احناف نے حنفی مسلک سے عدول کرتے ہوئے دوسرے مذہب پر فتویٰ دیا ہے: چنانچہ رد المحتار اور بدر المتقیٰ فی شرح الملتقیٰ میں ہے:

مذهب مالک و القديم من مذهب الشافعي تقديره بأربع سنين لكن في حق عرسه لا غير، فتنكح بعدها كما في النظم، فلو افتىٰ به في موضع الضرورة ينبغي أن لا بأس به على ما ظن كذا في القهستاني.

(بدر المتقیٰ فی شرح الملتقیٰ علی ہامش مجمع الانہر ص ۷۱۳، ج ۱، کذا فی الطحطاوی ورد المحتار وخزانۃ العلماء وغیر)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے: (فتاویٰ رشیدیہ ص ۳۹۷)

نیز مولانا عبد الحئیؒ صاحب فرنگی محلیؒ نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ص ۸۷، ج ۲، کتاب المفقود)

الحیلۃ الناجزۃ میں اس کی مزید تفصیل موجود ہے۔

(۹) مسئلہ زوجِ مفقود کے علاوہ عدت کی بعض صورتوں میں بھی مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا گیا ہے۔

ونظير هذه المسئلة عدة ممتدة الطهر التي بلغت برؤية الدم ثلاثة أيام ثم امتدت الطهر فإنها تبقى في العدة.....وعند مالك تنقضي عدتها بتسعة أشهر وقد قال في البزازيه: الفتوىٰ على زماننا على قول مالک الخ.

(رد المحتار شامی ص ۳۳۰، ج ۲)

دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کی بنیادی شرط اور ضرورت کا مطلب

الغرض ضرورت کے موقع پر دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا متقدمین ومتاخرین کی تصریحات سے ثابت ہے ’’الحیلۃ الناجزۃ‘‘ میں اس کی تفصیلات مع اس کے شرائط کے موجود ہیں، اس کی بنیادی شرط یہی ہے کہ دوسرے مذہب کو اختیار کرنا تلفیق وتشہّی کے طور پر نہ ہو، جس سے اتباع ہدیٰ کے بجائے اتباعِ ہویٰ لازم آئے، ومن أضل ممن اتبع هواه، بلکہ ضرورت کی بنا پر ہو۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

’’بوقت ضرورت دوسرے مذہب پر عمل جائز ہے اور اس ضرورت میں یہ قید نہیں کہ اس کا تحقق کب ہوا ہے بلکہ علی الاطلاق ضرورت کا لفظ استعمال کیا ہے، جو عام ہے ہر ضرورت کو، خواہ وہ کسی زمانہ میں پیدا ہوئی ہو جیسا کہ علامہ نے عقود رسم المفتی میں بھی ضرورت کو عام رکھا ہے بلکہ اس میں صفحہ ۴۵ پر فهذه كلها قد تغيرت أحكامها لتغير الزمان إما للضرورة وإما للعرف وإما للقرائن الأحوال الخ .....اس میں تصریح ہے کہ اس زمانہ میں بھی تغیر زمان ضرورت جدیدہ کی وجہ سے ہو جائے، تو اہل فتویٰ کا مذہب غیر پر فتویٰ دینا جائز ہے‘‘

(الحیلۃ الناجزۃ ص ۴۷)

نیز ایک استفتاء کے جواب میں درمختار شامی کی مختلف عبارتوں کے نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

’’ان روایات سے معلوم ہوا کہ دوسرے مجتہد کے قول پر عمل کرنا موضع ضرورت میں جائز ہے..... اور ضرورت کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے بغیر کوئی ضرر لاحق ہونے لگے، اور ضرر سے مراد حرج اور تنگی اور مشقت ہے‘‘ (امداد الفتاویٰ ص ۶۴۰، ج ۱، سوال ۵۶۲)

دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کی نزاکت اور اُس کا حل

ضرورت کی بنا پر دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کی اجازت بیشک ہے لیکن اس کی متعدد شرطیں ہیں جن کو علمائے محققین نے بیان کیا ہے ملاحظہ ہو۔ (''آداب افتاء واستفتاء' افادات: حکیم الامت حضرت تھانویؒ ص ۱۱۱)

اس لئے دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، اس کا محتاط طریقہ بھی ہمارے اکابر علماء نے تحریر فرمایا ہے جو ہماری رہنمائی کے لئے انشاء اللہ بہت کافی ہوگا ''الحیلۃ الناجزۃ'' کتاب جس کو حضرت تھانویؒ کے زیر نگرانی حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحبؒ وغیرہ محققین نے مرتب فرمایا ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں:

''ضرورتِ شدیدہ اور ابتلائے عام کے وقت حنفیہ کے نزدیک دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کر کے اس پر فتویٰ دینا جائز ہے، لیکن عوام کو خود اپنی رائے سے جس مسئلہ میں چاہیں ایسا کر لینے کی اجازت نہیں، بلکہ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

اور اس زمانہ میں احتیاط اس طرح ہو سکتی ہے کہ جب تک محقق و متدین علمائے کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ نہ دیں اس وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑے، کیونکہ مذہب غیر کو لینے کے لئے یہ شرط ہے کہ اتباع ہویٰ کی بنا پر نہ ہو، بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو، اور ضرورت داعیہ وہی معتبر ہے جس کو علمائے اہل بصیرت ضرورت سمجھیں۔

اور اس زمانۂ پرفتن میں یہ دونوں باتیں جمع ہونا یعنی کسی ایک شخص میں تدین کامل و مہارتِ تامہ کا اجتماع نایاب ہے، اس لئے اس زمانہ میں اطمینان کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ کم از کم دو چار محقق علمائے دین کسی امر میں ضرورت کو تسلیم کر کے مذہب غیر پر فتویٰ دیں، بدون اس کے اس زمانہ میں اگر اقوال ضعیفہ اور مذہب غیر کو لینے کی اجازت دی جائے تو اس کا لازمی نتیجہ ہدمِ مذہب ہے، کما لا یخفی، واللہ اعلم بالصواب''

(الحیلۃ الناجزۃ ص ۴۶)

حاصل بحث اور خلاصۂ کلام

ماقبل میں ذکر کردہ پوری بحث کے بعد زیر غور مسئلہ میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ:

(۱) حرمت مصاہرت کے سلسلہ میں فقہائے احناف نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اور متون و شروح قدوری، کنز، ہدایہ، مبسوط سرخسی وغیرہ میں صاحبِ مذہب حضرت امام ابوحنیفہؒ کا جو مسلک زیر بحث مسئلہ سے متعلق نقل کیا گیا ہے، وہ بالکل حق اور درست ہے، دلائل شرعیہ سے مدلل ہے، اس کو مرجوح اور ضعیف کہنا درست نہیں۔

(۲) البتہ ضرورت کے موقع پر یعنی حرج اور سخت مصیبت لاحق ہونے سے بچنے کے لئے چونکہ دوسرے مذہب پر فتویٰ دینے کی گنجائش ہے اور فقہائے متقدمین و متأخرین کا نیز ہمارے اکابر علماء و فقہاء کا اس پر تعامل بھی رہا ہے، جس کی کچھ مثالیں ماقبل میں ذکر کی گئیں۔

(۳) ان مثالوں میں غور کرنے اور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس درجہ کا ضرر یا حرج اور جس نوع کی مشقت اور مصیبت مبتلیٰ بہ کو اُن صورتوں میں لاحق ہوتی ہے جن میں ہمارے علماء و فقہاء نے دوسرے مذاہب پر فتاویٰ دیئے ہیں، آج کے وقت میں اس سے کہیں زیادہ حرج و دقّت اور مصیبت و مشقت میں ابتلاء اس کو ہو سکتا ہے جس کے متعلق سوال کیا گیا ہے، ذرا ان صورتوں کے حرج و ضرر کا صورت مسئولہ میں پیش آنے والے حرج و ضرر سے تقابل کیجئے تو بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

دیکھئے! عقد سلم، یا بٹائی پر جانور دینے کا مسئلہ یہ ایسا کوئی معاملہ نہیں ہے جس کے نہ کرنے سے یا حنفی مسلک کے مطابق ہی عقد کرنے سے کوئی ایسا ضرر شدید یا حرج مدید لاحق ہو جو سخت مصیبت اور مشقت میں ڈالنے والا ہو، اور ایسا بھی نہیں ہے کہ کسی خطہ میں امت کے تمام طبقات اس میں مبتلا ہوں بلکہ صرف تاجروں کا ایک خاص طبقہ اور جانور پالنے والوں کا محدود طبقہ اس میں مبتلا ہو سکتا ہے، لیکن ان سب کے باوجود امت کو حرج

اور تنگی سے بچانے کے لئے حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے حنفی مسلک سے عدول کرتے ہوئے شوافع وحنابلہ کے مسلک پر فتویٰ دیا ہے جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی۔

اسی طرح زوجۂ مفقود کو لیجئے کہ زوج کے مفقود ہونے کی وجہ سے بلاشبہ اس کی زوجہ کو یہ حرج وضرر تو لاحق ہوتا ہے کہ زوجہ اپنے زوج کی رفاقت سے محروم ہے لیکن رشتۂ زوجیت کے بقا کی وجہ سے اس کو حق سکنیٰ اور زوج مفقود کے مال سے نفقہ یا اس کے نام پر قرضہ لینے کا شرعاً وعرفاً اس کو حق حاصل رہتا ہے، البتہ مدت مدید تک رفاقت زوج کے بغیر اس کی زندگی ہی حرج اور تنگی کا باعث ہے جس کی وجہ سے فقہاء نے حنفی مسلک سے عدول کر کے مالکیہ وشوافع کے مسلک پر فتویٰ دیا ہے، اور ہمارے تمام اکابر علماء وفقہاء نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے، جبکہ زوجۂ مفقود کی یہ صورت یعنی کسی زوجہ کے زوج کا اس طرح مفقود ہو جانا جس سے یہ سارے مسائل پیدا ہوتے ہیں، خال خال ہی ہوتا ہے، بکثرت نہیں ہوتا، لیکن اس کے باوجود ہمارے فقہاء نے حرج اور ضرر سے بچانے کے لئے دوسرے مذہب پر فتویٰ دیا ہے، مذکورہ بالا صرف ان ہی دو تین مسئلوں سے زیر بحث مسئلہ کا تقابل کرنا چاہئے کہ ضرر وحرج اور مشقت وتنگی حرمت مصاہرت والے میں زیادہ ہے یا مذکورہ بالا مسائل میں؟ عقد سلم یا بٹائی کے خاص معاملہ نہ کرنے میں متعاقدین کو کون سا ضرر یا حرج اور کون سی مصیبت لازم آتی ہے؟ یا زوجۂ مفقود کے مسئلہ میں مفقود کی زوجہ جس کو حق سکنیٰ بھی حاصل ہے اور شوہر کے مال سے نفقہ کا بھی انتظام ممکن ہے، ایسی زوجہ کو کہاں اس درجہ کی مشقت لاحق ہو سکتی ہے، جیسی مشقت اور جیسا ضرر وحرج اس عورت کو لاحق ہوگا جس کا سوال میں ذکر کیا گیا، یعنی باپ نے قصداً یا سہواً بجائے بیوی کے بیٹی کو شہوت سے ہاتھ لگا دیا، یا تقبیل کر لی، یا خسر نے بہو کے ساتھ یہی حرکت کر دی، بلاشبہ حنفی مسلک کے مطابق تو اس صورت میں حرمت مصاہرت متحقق ہو جانے کی وجہ سے فوراً حرمت مؤبدہ ہو جائے گی، نکاح بھی ختم اور ایسا ختم کہ کسی بھی طرح دوبارہ نکاح کی گنجائش نہیں۔

اب ذرا تصور کیجئے کہ ایسی صورت میں بیٹا بہو کے درمیان تفریق ہو جانے کی صورت میں کتنی ضیق اور کس قدر مشقت کا سامنا کرنا پڑے گا، نکاح بالکلیہ ختم ہو جانے کی وجہ سے بہو نہ سکنیٰ کی حقدار نہ نفقہ کی مستحق، رشتہ منقطع ہو جانے کی وجہ سے اس گھر میں رہنے کی بھی اس کے لئے اجازت نہیں، پھر میکے میں بھی اس کا ٹھکانا دشوار تر، اس کی دوسری شادی کا مسئلہ اس سے بھی زیادہ مشکل، بچوں کی تعلیم وتربیت سب خطرے میں، گویا ان کی بربادی یقینی، اور خود اس کا شوہر یعنی خسر کا لڑکا وہ کس قدر گھٹن اور تنگی میں، اس کی شادی کا مسئلہ بھی آسان نہیں، اور یہ حرج اور مشقت ایک دو دن کی نہیں، نہ معلوم کب تک۔

اب ذرا اندازہ لگانا چاہئے کہ جن مواقع اور جن صورتوں میں ہمارے اکابر فقہاء نے ضرورت وحرج اور مشقت کی وجہ سے دوسرے مذہب پر فتویٰ دیا ہے، اس سے کہیں زیادہ حرج ومشقت حرمت مصاہرت کے اس مسئلہ میں ظن غالب کے طور پر پائی جائے گی یا نہیں؟ ایک کو نہیں کئی ایک کو، شدید بھی مدید بھی، اور ایسے واقعات فساد معاشرہ کی وجہ سے زوجۂ مفقود کے واقعات سے کہیں زیادہ سامنے آتے ہیں، اور جو سامنے نہیں آتے اس کا تذکرہ ہی نہیں۔

الغرض جب اس سے کم حرج ومشقت کی بنا پر ہمارے فقہاء واکابر علماء نے ضرورۃً فقہی حنفی سے عدول کر کے دوسرے مذہب پر فتویٰ دیا ہے، تو ان ہی کی بیان کردہ علل وتصریحات کی بنا پر اور مذکورہ تفصیلات کی بنا پر ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ فی زمانا حرمت مصاہرت کے اس مسئلہ میں جس کا سوال میں تذکرہ کیا گیا، حنفی مسلک سے عدول کر کے امام شافعیؒ کے مسلک پر فتویٰ دینا بالکل مناسب ہے، جس میں مس بالشہوۃ اور تقبیل بالشہوۃ بلکہ ارتکابِ زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی، اور باپ کی ممسوسہ بالشہوۃ بیٹے کے لئے حرام نہیں ہوتی، واللہ اعلم۔

(۴) البتہ اس میں یہ تفصیل ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اگر یہ واقعات قبل النکاح پیش آئیں تو اس میں چونکہ ایسی ضرورت داعی نہیں اور حرج ومشقت والی بھی کوئی بات نہیں، اس لئے قبل النکاح تو حنفی مسلک پر ہی عمل کیا جائے، یعنی باپ کی ممسوسہ بالشہوۃ کے اصول وفروع سب سے نکاح کرنا حرام ہوگا، البتہ بعد النکاح اگر ایسے واقعات پیش آئیں تو امام شافعیؒ کے قول پر فتویٰ دینا مناسب ہے، اس کی کچھ فقہی نظیریں بھی ہیں

جن سے اس مسئلہ میں استیناس کیا جاسکتا ہے، مثلاً ایک نظیر جو قاضی ابو یوسفؒ سے فتاویٰ بزازیہ میں منقول ہے کہ واقعہ ہوجانے کے بعد قاضی صاحب نے دوسرا مسلک کو اختیار کرلیا، لیکن واقعہ سے پہلے اس کو اختیار نہیں کیا تھا وہ جزئیہ یہ ہے:

أنه صلىٰ الجمعة مغتسلاً من الحمام ثم أخبر بفارة الميتة فى بئر الحمام فقال: نأخذ بقول إخواننا من أهل المدينة إذا بلغ الماء قلتين لم يحمل خبثاً الخ. (شامی، بزازیہ، الحیلۃ الناجزۃ ص ۲۲۰)

شیخ ظفر احمد تھانویؒ نے خاص طور پر اس کی صراحت فرمائی ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

ان له التقليد بعد العمل كما إذا صلى ظاناً صحتها على مذهبه ثم تبيّن بطلانها فى مذهبه وصحتها على مذهب غيره فله تقليد غيره، ويتجزى بتلك الصلاة على ما فى البزازية روى عن ابى يوسف. (اعلاء السنن ص ۲۰۰)

دوسری نظیر کسی سنیہ کا باطل فرقہ کے مرد سے نکاح کرنا ہے اس کی مختلف صورتیں ہیں، ایک صورت کے متعلق حکیم الامت حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک صورت اس میں اور ہے وہ یہ کہ بعض مبتدع (بدعتی) فرقوں کے کفر میں علماء کا اختلاف ہے، جیسے شیعہ کے باب میں فتووں کا مختلف ہونا مشہور ہے، سو مکفّرین کے نزدیک تو سنیہ کا نکاح ایسے شخص سے باطل ہے، اور غیر مکفّرین کے نزدیک یہ نکاح غیر کفو میں ہے، اس لئے اس میں وہی تفصیل ہے جو ابھی غیر کفو کے ساتھ نکاح ہونے میں مذکور ہوئی۔

اور احقر کا معمول اس صورت مختلف فیہا میں یہ فتویٰ دینے کا ہے کہ جب تک نکاح نہ ہوا ہو بطلانِ نکاح کے قول پر عمل لازم ہے کہ اس میں احتیاط ہے، کہ ایک خوش اعتقاد عورت ایک بداعتقاد مرد سے اور بداعتقاد بھی ایسا کہ جس کی بداعتقادی بعض کے نزدیک حدِّ کفر تک پہنچی ہے، اور جب نکاح ہو چکا تو صحت نکاح کے قول کو اخذ کرنا لازم ہے کہ اسی میں احتیاط ہے، کیونکہ اس صورت میں اگر بطلان کا قول لیا گیا اور اس بنا پر دوسرے شخص سے نکاح کردیا جائے تو احتمال ہے کہ واقع میں وہ پہلا نکاح صحیح ہوگیا تو یہ دوسرا عقد ہمیشہ کے لئے زنا ہوا کرے گا، تو ایک متدینہ کا عمر بھر مبتلائے زنا ہونا لازم آئے گا، اور صحت نکاح کے قول پر اس احتمال کا اعتبار نہیں کیا گیا کہ **الإسلام يعلو و لا يعلى**'' (اصلاح انقلاب ص ۱۱۳، ج ۲)

محمد زید مظاہری ندوی

استاذ حدیث وفقہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۷ ربیع الآخر ۱۴۳۹ھ